جامعہ حقانیہ کا ترجمان

مجلّہ الحقانیہ

ساہیوال
سرگودھا

ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ مارچ ۲۰۱۴ء



بانی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہٗ

فہرست

خط وکتابت کیلئے: دفتر ماہنامہ الحقانیہ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

web-www.alhaqqania.org

E-mail-alhaqqania@yahoo.com

048-6786002/6786899

پبلشر: مفتی سید عبدالقدوس ترمذی   پرنٹر: جناب محمد منیر صاحب فائٹر پرنٹنگ پریس سرگودھا

کمپوزر: جناب حافظ سید عبدالغفور صاحب ترمذی

نوٹ: رسالہ کے متعلق معلومات کے لیے رابطہ نمبر:0301-4843429

رسالہ نہ ملنے کی صورت میں رابطہ نمبر:0301-0331-6769897

کلمة الحق مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

صدر مملکت کی خدمت میں

ارباب وفاق کی ایک اہم عرض داشت

۲۷ جنوری ۲۰۱۴ء کو ارباب وفاق المدارس الاسلامیہ پاکستان کے ایک وفد نے صدرالوفاق حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم کی سربراہی اور ناظم وفاق حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب مدظلہم کی قیادت میں سربراہ مملکت صدر پاکستان جناب ممنون حسین صاحب سے ملاقات میں ملکی اہم مسائل کے علاوہ وفاق المدارس کے مسائل پر جامع گفتگو کی اور ساتھ ہی ایک اہم عرض داشت تحریری طور پر ان کی خدمت میں پیش کی۔ہم ذیل میں اس عرض داشت کا متن ''روزنامہ اسلام'' کے شکریہ کے ساتھ پیش کررہے ہیں اور ساتھ ہی صدر مملکت سے ملتمس ہیں کہ وہ ذمہ داران وفاق المدارس کی طرف سے ملکی اور مسلکی خلفشار کو دور کرنے کے حوالہ سے پیش کی گئی تجاویز پر غورفرمائیں اور وفاق المدارس کے مسائل کے حل کے لیے پیش کئے گئے مطالبات کو جلد پورا فرماویں۔قارئین ''الحقانیہ'' اب اس عرض داشت کو ملاحظہ فرمائیں۔

متن عرضداشت

جناب صدر!

دینی مدارس ملک میں دینی اقدار وروایات کے تحفظ وفروغ،شرح خواندگی کے بڑھانے،نیز لاکھوں غریب ونادار طلبہ کی تعلیم وتربیت اور مالی کفالت کے لیے بیش بہا اور

قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ دینی مدارس کا کسی نسلی، لسانی اور فرقہ وارانہ تنظیم سے کوئی تعلق نہیں لیکن انتہائی افسوس کہ گزشتہ چند ماہ میں دینی مدارس کے متعدد طلبہ واساتذہ شہید کردیے گئے، دینی مدارس کے طلبہ واساتذہ کا قتل درحقیقت علم کا قتل ہے اور دہشت گردی کی ان وارداتوں کی بنا پر مدارس کے اساتذہ اور طلبہ عدم تحفظ کا شکار ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ حکومت اور انتظامیہ نے بے گناہ علماء وطلبہ کے قتل کے پے در پے واقعات کے باوجود قاتلوں کی گرفتاری اور انہیں کیفر کردار تک پہنچانے میں کوئی پیش رفت نہیں کی، بلکہ اس سلسلہ میں سردمہری کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ صورت حال مدارس کے اساتذہ وطلبہ کے لیے پریشان کن اور تشویشناک ہے، فوری طور پر ایسے اقدامات کی ضرورت ہے جن سے علماء وطلبہ میں پایا جانے والا احساس عدم تحفظ زائل ہو۔

اس سلسلہ میں قاتلوں کی گرفتاری اور قانون کے مطابق سزا دی جانی ضروری ہے، نیز مدارس، ان کے اساتذہ اور طلبہ کی حفاظت کے لیے خصوصی انتظامات کیے جائیں اور شہداء کے ورثاء کی مالی اعانت کی جائے۔

دہشت گردی

دینی مدارس ملک میں دہشت گردی کی حالیہ لہر کی شدید مذمت کرتے ہیں، جس میں سیکورٹی فورسز کے جوان اور متعدد بے گناہ شہری شہید ہوئے ہیں، مدارس ہر طرح کی دہشت گردی اور فرقہ واریت سے الگ تھلگ ہیں، مدارس کا کام دینی تعلیم اور اسلامی تربیت کا انتظام کرنا ہے۔ حکومت، افواج پاکستان اور ملک کے دیگر محبّ وطن حلقوں کی طرح دینی مدارس کی بھی شدید خواہش ہے کہ ملک میں امن وامان کی فضا قائم ہو، شرپسندی اور دہشت گردی کا خاتمہ ہو لیکن اس کے لیے ان اسباب وعوامل اور محرکات کا خاتمہ ضروری ہے جو دہشت گردی کا باعث بنتے ہیں، دہشت گردی کے عفریت کو ہمیشہ کے لیے ختم

کرنے کے لیے مذاکرات اور گفت وشنید ہی بہترین حل ہے، اس لیے شورش زدہ علاقوں میں بلا امتیاز آپریشن کی بجائے مذاکرات کی راہ اختیار کی جائے اور اگر کسی جگہ فوجی کارروائی ناگزیر ہو تو اسے آخری آپشن کے طور پر محدود سطح پر بقدر ضرورت اختیار کیا جائے۔

فرقہ وارانہ منافرت

ملک میں اخوت اور ہم آہنگی کے فروغ کے لیے فرقہ وارانہ منافرت وتشدد کا خاتمہ بھی ضروری ہے۔

دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی اور مستونگ جیسے سانحات فوری اور مؤثر اقدام کے متقاضی ہیں۔ ہمار دانست میں تین اقدام فوری طور پر ضروری ہیں:

الف: فرقہ ورانہ منافرت کے خاتمے کے لیے ملک کی تمام مذہبی تنظیموں اور نمائندہ شخصیات کی وزیراعظم پاکستان سے مشاورت کا اہتمام کیا جائے، وزیراعظم ان کا مؤقف سننے کے بعد طے شدہ نکات کی روشنی میں فرقہ واریت کوختم کرنے کے لیے ٹھوس اقدام اٹھائیں۔

ب: ماضی میں مختلف مواقع پر اہل سنت اور اہل تشیع کی طرف سے فرقہ واریت کے خاتمہ کے لیے کئی متفق علیہ ضابطہ ہائے اخلاق مرتب کیے گئے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان ضابطہ ہائے اخلاق کی روشنی میں قانون سازی کی جائے تاکہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی، تحمل و برداشت اور امن وامان برقرار رکھنے والے ضابطوں کی حیثیت محض اخلاقی نہ ہو، قانونی ہو اور کسی بھی فرقہ کو ان کی خلاف ورزی کی جرأت نہ ہو۔

ج: ایسے تمام عوامل ومحرکات کو بھی محدود یا مسدود کرنے کے لیے قانون سازی کی جائے، جو ممکنہ تصادم کا سبب بنتے ہیں، اس سلسلے میں مذہبی رسوم کو عبادت گاہوں تک محدود کرنے کے آپشن پر بھی ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے۔

غیر ملکی طلبہ کے لیے تعلیمی سہولتیں

ایسے غیر ملکی طلبہ جو دینی تعلیم کے لیے پاکستانی مدارس میں داخلے کے خواہش مند ہیں، ان کے لیے تعلیمی ویزا اور ''این، او، سی'' کو سہل اور قابل عمل بنانے کی ضرورت ہے تاکہ یہ طلبہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں پاکستان آئیں اور تعلیم سے فراغت کے بعد پاکستان کے لیے نیک، خیر خواہانہ اور احسان مندی کے جذبات لے کر جائیں اور اپنے اپنے ملکوں میں پاکستان کے سفیر ثابت ہوں۔ اس وقت پاکستانی مدارس میں غیر ملکی طلبہ کے داخلے کا طریقہ کار بہت پیچیدہ اور دشوار ہے، اس لیے وہ پاکستان کی بجائے بھارت کا رخ کرتے ہیں، جو ہمارے لیے باعث تأسف ہے۔ اس سلسلہ میں تمام پاکستانی سفارت خانوں کو ہدایت کی جائے کہ وہ تعلیمی ویزے کے خواہش مند طلبہ سے ہر ممکن تعاون کریں اور ویزے کے حصول کو سہل تر اور تیز تر بنائیں۔

دینی مدارس کی رجسٹریشن

دینی مدارس ۱۸۶۰ء کے سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ کیے جاتے ہیں، بعض اوقات متعلقہ حکام بلاوجہ مدارس کو تنگ کرتے ہیں اور سوسائٹی ایکٹ اور حکومت کے ساتھ طے شدہ واضح، سہل اور شفاف طریقہ کار کو نظر انداز کرتے ہوئے رجسٹریشن میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں۔ اس سلسلے میں صوبائی حکومتوں کو ہدایات جاری کی جائیں کہ وہ رجسٹریشن کے عمل میں غیر ضروری طور پر پیچیدگیاں پیدا نہ کریں، نیز ہر سال رجسٹریشن کی تجدید کی شرط ختم کی جائے۔

دینی مدارس کے کوائف

بعض اوقات مقامی انتظامیہ اور مختلف ایجنسیاں کوائف طلبی کے نام پر اہل مدارس کو ہراساں کرتی ہیں، جبکہ تمام رجسٹرڈ مدارس کے ضروری کوائف ہر ضلع کے رجسٹریشن آفس میں موجود ہوتے ہیں۔ مدارس کے مطلوبہ کوائف اور معلومات رجسٹریشن آفس سے بآسانی معلوم کی جاسکتی ہیں، اس کے باوجود مدارس کو پریشان کرنا قابل اصلاح ہے۔

مدارس کے بینک اکاؤنٹس

قبل ازیں حکومت اور مدارس کے مابین یہ طے ہوا تھا کہ مدارس اپنے مالیاتی نظام کو صاف شفاف رکھنے کے لیے اپنی رقم بینکوں میں جمع کرائیں گے، لیکن جب مدارس اس سلسلے میں بینکوں سے رابطہ کرتے ہیں تو انتظامیہ اکاؤنٹ کھولنے میں لیت ولعل سے کام لیتی ہے اور ناروا شرائط عائد کرتی ہے۔ ہم ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ اس سلسلہ میں گورنر اسٹیٹ بینک آف پاکستان تمام بینکوں کو واضح ہدایات جاری کریں کہ وہ دیگر تعلیمی اداروں کی طرح مدارس کے لیے بھی اکاؤنٹ کھولنے کو سادہ اور سہل بنائیں۔ مناسب ہوگا کہ اس سلسلے میں گورنر اسٹیٹ بینک اور مدارس کے نمائندگان کی ایک ملاقات کا اہتمام کیا جائے۔

معادلۂ سندات

مختلف مسالک کے وفاقوں اور تنظیموں کی نہائی تعلیمی سند ''شہادۃ العالمیہ'' ایچ ای سی سے باقاعدہ طور پر ۱۷/نومبر ۱۹۸۲ء سے بحوالہ نمبر 8-418/Acad/82/120 کے تحت ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات کے مساوی منظور شدہ ہے لیکن تعلیمی ادارے، یونی ورسٹیاں اور حکومتی ادارے ''شہادۃ العالمیہ'' کی سند کی اس حیثیت کو عملی طور پر تسلیم نہیں کرتے اور مختلف رکاوٹیں ڈالتے رہتے ہیں۔

آں جناب سے التماس ہے کہ ''شہادۃ العالمیہ'' کی قانونی حیثیت کو تسلیم کرنے اور اس پر عمل درآمد کے لیے مؤثر ہدایات جاری فرمائیں۔ نیز وفاقوں اور تنظیموں کی تحتانی اسناد شہادۃ العالیہ، شہادۃ الثانویۃ الخاصہ، شہادۃ الثانویۃ العامہ، کو بالترتیب بی اے، ایف اے، اور میٹرک کے مساوی تسلیم کرنے کی ہدایت فرمائیں۔

ہم ایک مرتبہ پھر صدر ذی وقار کا شکریہ ادا کرتے ہیں، اور امید کرتے ہیں کہ وہ دینی حلقوں اور دینی مدارس کے مسائل و مطالبات پر ہمدردانہ غور فرمائیں گے۔

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

درس حدیث

عن تميم الداری ان النبی صلی الله عليه وسلم قال الدين النصيحة ، قلنالمن؟قال لله ولكتابه ولرسوله ولائمة المسلمين وعامتهم ۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دین نام ہے خلوص (۱) اور وفاداری کا۔ہم نے عرض کیا کہ کس کے ساتھ خلوص اور وفاداری؟ ارشادفرمایا: اللہ کے ساتھ، اللہ کی کتاب کے ساتھ، اللہ کے رسول کے ساتھ، مسلمانوں کے سرداروں، پیشواؤں کے ساتھ اوران کے عوام کے ساتھ۔(مسلم)

تشریح

یہ حدیث بھی ''جوامع الکلم''میں سے ہے، امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ کل مقاصد دین کو یہ حدیث جامع ہے، اوراس پرعمل کرلینا گویا دین کے پورے منشا کوادا کردینا ہے، کیونکہ دین کا کوئی شعبہ اورکوئی گوشہ ایسانہیں ہے جواس حدیث کے مضمون سے باہر رہ گیا ہو۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس حدیث میں اللہ، کتاب اللہ، رسول اللہ، ائمۂ امت وپیشوایان ملت، اورعوام مسلمانوں کے ساتھ خلوص ووفاداری کودین بتلایا گیا ہے، اوریہی کل دین ہے کیونکہ اللہ کے ساتھ اخلاص ووفاداری کا مطلب یہ ہے کہ اس پرایمان لایا جائے، ممکن حدتک اس کی معرفت حاصل کی جائے، اس کے ساتھ انتہائی محبت کی جائے، اس کی اطاعت

---

(۱)اس حدیث میں''نصیحت'' کا لفظ جس مفہوم کا حامل ہے اس کوترجمہ میں اس ناچیز نے''خلوص ووفاداری'' سے ادا کیا ہے، اردو میں اس مفہوم کی ادائیگی کے لیے اس سے بہتر شاید کوئی لفظ نہ مل سکے۔''نصیحت'' نصح بمعنیٰ خلوص سے مشتق ہے۔يقال نصح الشئ اذاخلص ونصحت العسل اذاصفيته۔۱۲م۔)

وعبادت کی جائے،اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور مالک ومقتدر جانتے ہوئے اس سے ڈرا جائے،غرض پورے اخلاص ووفا کے ساتھ عبدیت کا حق ادا کیا جائے۔

اور کتاب اللہ کے ساتھ وفاداری یہ ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے،اس کا حق عظمت ادا کیا جائے،اس کا علم حاصل کیا جائے،اس کا علم پھیلایا جائے،اس پر عمل کیا جائے۔

علیٰ ھٰذا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خلوص ووفا یہ ہے کہ ان کی تصدیق کی جائے، تعظیم وتوقیر کی جائے،ان سے،ان کی تعلیمات اوران کی سنتوں سے محبت کی جائے اوردل وجان سے ان کی پیروی وغلامی میں اپنی نجات سمجھی جائے۔

اورائمۂ مسلمین (یعنی مسلمانوں کے سرداروں اورپیشواؤں،حاکموں اوررہنماؤں) کے ساتھ خلوص ووفاداری یہ ہے کہ ان کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں ان کی مدد کی جائے، ان کے ساتھ نیک گمان رکھا جائے،اوراگران سے کوئی غفلت اورغلطی ہوتی نظر آئے تو بہتر طریقہ پراس کی اصلاح ودرستی کی کوشش کی جائے،اچھے مشوروں سے دریغ نہ کیا جائے، اورمعروف کی حدتک ان کی بات مانی جائے۔

اورعام مسلمانوں کے ساتھ خلوص ووفا یہ ہے کہ ان کی ہمدردی وخیرخواہی کا پورا پورا خیال رکھا جائے،ان کا نفع اپنا نفع اوران کا نقصان اپنا نقصان سمجھا جائے، جائزاورممکن خدمت اورمدد سے دریغ نہ کیا جائے۔الغرض علیٰ فرق مراتب ان کے جوحقوق عظمت وشفقت اورخدمت وتعاون کے مقرر ہیں،ان کوادا کیا جائے۔

اس تفصیل سے ہرشخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ حدیث کس طرح پورے دین کوحاوی ہے،اوردین کے تمام شعبوں کوان مختصر لفظوں میں کس طرح ادا کردیا گیا ہے اوراس پرصحیح طور پرعمل کرنا گویا پورے دین پرعمل کرنا ہے۔

(معارف الحدیث ص١٦٦/١٦٧)

مرسلہ: بندہ محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

از جمیل الکلام بقلم فقیہ الامۃ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ

فرمایا ایک شخص حافظ صاحب کے پاس بہت زیادہ آیا کرتا تھا، فرمایا میاں زیادہ نہ آیا کرو تمہاری جورو لڑے گی، اس نے کہا ایسی تیسی ایسی جورو کی، اتفاق سے وہ کئی روز تک نہ آیا، ایک بار حضرت حافظ صاحب مسجد کے دروازہ پر کھڑے تھے کہ وہ شخص سامنے نظر پڑا، حضرت ہنسے فرمایا کہو کیا ہوا؟ کہا حضرت بیوی بہت لڑی کہ نہ کھانے کا نہ کمانے کا یونہی پڑا رہتا ہے، تو آپ بہت ہنسے۔

فرمایا جب میں حضرت گنگوہی کے یہاں حاضر ہوتا تو حضرت حاجی صاحب کا خوب انبساط کے ساتھ ذکر فرماتے، وجہ یہ کہ اور حضرات تو حضرت حاجی صاحب کے بواسطہ خادم تھے اور خود حضرت کو دیکھا نہ تھا اس لئے اوروں کے سامنے طبیعت کھلتی نہ تھی، اسی پر ایک بار فرمایا جب تم آجاتے ہو تو دل زندہ ہوجاتا ہے۔

ایک خط کی بہت سی بدتمیزیوں کو بیان فرما کے فرمایا کس کس جزئی کی اصلاح کروں

ع تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

ایک شخص نے لکھا کہ مجھے انوار معلوم ہوتے ہیں کیا یہ میرا وہم تو نہیں ہے؟ جواب ارقام فرمایا کہ وہم ہی سمجھو، پھر فرمایا کہ میں نے یہ نہیں لکھا کہ یہ وہم ہیں بلکہ یہ لکھا ہے کہ تم ایسا سمجھو اور ان کی طرف التفات نہ کرو، یہ انوار کبھی تو محض خیالی ہوتے ہیں اور کبھی ناسوتی اور کبھی ملکوتی مگر ہیں سب حجاب، ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ حجب نورانیہ اشد ہیں حجب ظلمانیہ سے کیونکہ یہ عجیب ہوتے ہیں، ان کی طرف التفات زیادہ ہوتا ہے اور گمان تقرب کا بھی ہوجاتا ہے اور انہیں مقاصد میں سے سمجھنے لگتے ہیں، حضرت کی تو تعلیم یہ تھی کہ جو کچھ بھی ہو لا الہ میں لا کے تحت میں لا کر نفی کردو۔

فرمایا مولانا محمد یعقوب صاحب کو دیکھا ہے کہ درس میں جب کسی مقام میں تقریر فرمائی اور طالب علم نے کوئی شبہ کیا تو اول تو ذرا غور فرماتے پھر فوراً اِن لفظوں کے ساتھ قبول فرماتے کہ مجھ سے غلطی ہوئی، پھر دو چار سیکنڈ بعد فرماتے مجھ سے غلطی ہوئی، پھر تین چار سیکنڈ بعد فرماتے واقعی مجھ سے غلطی ہوئی تاکہ کوئی شخص اس کو تواضع پر محمول نہ کرے، اور اگر کسی غامض مقام پر شرح صدر نہ ہوا تو کتاب اٹھا کر کسی ماتحت[1] مدرس کے پاس حلقہ درس میں تشریف لے جاتے اور فرماتے کہ مولانا! ذرا اس کو ملاحظہ فرمائیے یہ میری سمجھ میں نہیں آیا اور شاگردوں کی جگہ بیٹھ جاتے تھے، وہ حضرات بھی مزاج سے واقف تھے اٹھتے نہ تھے، تمام شاگردوں کے سامنے ہی دریافت فرماتے تھے اور آ کر فرماتے کہ مجھے شرح صدر نہیں ہوا تھا میں نے فلاں صاحب سے پوچھا ہے انہوں نے اس مقام کی یہ تقریر فرمائی ہے، سبحان اللہ۔

فرمایا ایک دفعہ مولانا گنگوہی اور مولانا محمد قاسم صاحب کی گفتگو خلوت میں ہو رہی تھی مگر آوازیں بلند ہوگئیں تو باہر کے لوگوں نے بھی سنا، مولانا محمد قاسم صاحب فرما رہے تھے مولوی صاحب یوں تو حق تعالیٰ نے مجھے بھی بہت چیزیں دے رکھی ہیں مگر ایک چیز آپ کو ایسی دی ہے جس پر مجھے رشک آتا ہے یعنی فقہ، حق تعالیٰ نے آپ کو فقہ دے رکھا ہے، مولانا گنگوہی نے فرمایا جی ہاں مجھے دو چار جزیئے یاد ہو گئے تو آپ رشک کرنے لگے اور خود جو مجتہد بنے بیٹھے ہیں ہمیں کبھی رشک نہ ہوا۔

فرمایا مولانا گنگوہی اور مولانا محمد قاسم صاحب کا ایک مسئلہ میں اختلاف تھا، مجھے معلوم نہ تھا میں نے بھی اس مسئلہ میں ایک رسالہ لکھا اور مولانا گنگوہی کی خدمت میں پیش کیا، مولانا نے موافقت نہیں فرمائی، میں نے اتفاق سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کا رسالہ دیکھا تو عرض کیا کہ مولانا محمد قاسم صاحب کی رائے بھی یہی تھی، فرمایا ان سے غلطی ہوئی ہے، جس وقت یہ رسالہ لکھا تھا میں نے ان کو اسی وقت وفات سے پہلے مطلع کر دیا تھا۔

(۱) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس تھے اس لئے اور سب ماتحت ہی تھے ۱۲ جامع۔

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

لاقانونیت کیوں؟

پاکستان بننے سے پہلے سالہاسال ہم انگریزی حکومت کے ماتحت رہے، یہ حکومت چونکہ محض سینہ زوری کی بنیاد پر قائم ہوئی تھی، اوراس نے اپنی چودھراہٹ قائم کرنے کے لیے ظلم وستم اورسفاکی اوردرندگی کے ریکارڈ قائم کئے تھے، اس لیے ہندوستان کے باشندوں نے، بالخصوص حریت پسند مسلمانوں نے، اس حکومت کو کبھی دل سے قبول نہیں کیا۔ سات سمندر پار سے آنے والے حکمران اپنی چمڑی کے رنگ سے لے کر زبان اور دماغ تک، ہر چیز میں یہاں کے باشندوں سے مختلف تھے، اوران کا تمام تر اقتدار صرف توپ اور بندوق کی بنیاد پر قائم تھا جس کی طرف اکبرالٰہ آبادی مرحوم نے بڑی خوبصورتی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ

اپنے عیبوں کی کہاں آپ کو کچھ پروا ہے
غلط الزام بھی اوروں پہ لگا رکھا ہے
یہی فرماتے رہے ''تیغ سے پھیلا اسلام''
یہ نہ ارشاد ہوا ''توپ سے کیا پھیلا ہے؟''

ظاہر ہے کہ اسلحہ کی زورزبردستی سے کسی کے گلے میں غلامی کا طوق توڈالا جاسکتا ہے، لیکن اس کے دل میں محبت اوراحترام پیدانہیں کیا جاسکتا، اس لیے ہندوستان کے باشندے بے بس ہوکران کے محکوم تو بن گئے، لیکن ان کے سینوں میں انگریزی حکومت کے خلاف نفرت کالاوا ہمیشہ ابلتا رہا، یہی نفرت کالاوا تھا جوآزادی کی بہت سی تحریکوں کی صورت میں وقتاً فوقتاً ظاہر ہوا۔ انگریزی حکومت سے نفرت کا ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ اس کے

مسلط کئے ہوئے قانون کا دلوں میں احترام کبھی قائم نہیں ہوا، اس قانون کی پشت پر صرف سزا کا خوف تھا جو لوگوں سے ڈنڈے کے زور پر تو قانون کی پابندی کرا لیتا تھا، ورنہ وہ دل سے اسے ماننے کے لیے تیار نہ تھے، چنانچہ جہاں موقع ملتا وہ اس سے فرار اختیار کر لیتے تھے، بلکہ آزادی کی بہت سے تحریکوں نے با قاعدہ لوگوں کو قانون شکنی کی ترغیب دی، اور وہاں سزا کا خوف بھی قانون کو توڑنے سے مانع نہیں ہوا، لوگوں نے اپنی نفرت کے اظہار اور اپنا احتجاج رجسٹر کرانے کے لیے حکومت کی نافرمانی کر کر کے جیلیں بھر دیں، یہاں تک کہ حکومت کی نافرمانی حریت پسندی کی ایک علامت بن گئی، اور قانون کی خلاف ورزی بہادری اور جی داری کا ایک ثبوت۔ رفتہ رفتہ قانون کے بارہ میں یہ تصور عام ہو گیا کہ وہ درحقیقت ہمیں غلامی کے شکنجے میں کسنے والوں کا ایک حربہ ہے، جس کے ساتھ تقدس واحترام وابستہ ہو ہی نہیں سکتا۔

حکومت اور قانون کے بارے میں یہ ذہنی فضا تھی جس میں پاکستان بنا۔ پاکستان کا حصول ایک ایسا انقلابی واقعہ تھا جس کے نتیجے میں یہ ذہنی فضا بہت آسانی سے تبدیل ہو سکتی تھی، شروع شروع میں عوامی جذبہ واقعی یہ تھا کہ یہ ہمارا ملک، ہماری حکومت اور ہمارا اپنا گھر ہے، اس کی ہر چیز ہماری ہے، اور ہمیں مل جل کر اس کی تعمیر کرنی ہے، لہٰذا اس موقع پر لوگوں کو نظم وضبط اور قاعدے قانون کا پابند بنانا بہت آسان تھا، لیکن اول تو ہم نے آزاد ہونے کے بعد بھی اپنا قانون جوں کا توں وہی رکھا جو انگریز کا لایا ہوا تھا، اور جس سے بحیثیت مجموعی عوام کو نفرت تھی، یہاں تک کہ قانون کی زبان بھی بدستور وہی باقی رکھی جسے ملک کے ہزار باشندوں میں سے بمشکل ایک آدمی سمجھتا ہے، حد تو یہ ہے کہ انگریز ججوں کے دور میں طریقہ یہ تھا کہ نچلی عدالتوں میں گواہوں کے بیانات اردو یا کسی اور مقامی زبان میں ہوتے تھے، پھر ان کا انگریزی میں ترجمہ کیا جاتا تھا، تاکہ جج صاحبان انہیں سمجھ سکیں،

نچلی عدالتوں کے جج مقامی حضرات میں سے بننے لگے، تب بھی ان کو پابند کیا گیا کہ وہ تمام بیانات کا انگریزی میں ترجمہ کرا کر محفوظ رکھیں، تا کہ جب کبھی معاملہ اوپر کی عدالتوں میں جائے تو وہاں کے انگریز جج صاحبان بیانات کو سمجھ سکیں، یہ بدیسی حکمرانوں کی ایک مجبوری تھی جس کی وجہ سے نچلی عدالتوں میں ایک ایک بیان دو دو زبانوں میں ریکاڈ ہوتا تھا۔ لیکن مجبوری کا یہ طریقہ آج سینتالیس سال گزرنے کے بعد بھی اسی طرح چلا آتا ہے، اب نچلی عدالتوں سے لے کر عدالت عظمیٰ تک کوئی انگریز جج باقی نہیں رہا، لیکن نچلی عدالتوں کے جج صاحبان آج بھی اس دوہری محنت کے پابند ہیں کہ بیانات اردو یا کسی اور مقامی زبان میں بھی قلم بند کرائیں اور پھر اس کا انگریزی میں ترجمہ بھی کریں، پھر تمام عدالتوں میں چونکہ زیادہ تر بیان کے انگریزی ترجمے ہی کو استعمال کیا جاتا ہے، اس لیے بعض جگہ ترجمے میں اونچ نیچ کا شبہ ہو تو اصل اردو بیان کو بھی نکال کر دیکھنا پڑتا ہے، یہ ساری مشقت جس میں یقیناً وقت اور پیسے کا ضیاع بھی ہے، ہم آج تک برداشت کرتے چلے آرہے ہیں، لیکن ہم سے اب تک یہ نہیں ہوسکا کہ بیانات جس زبان میں دیے گئے ہیں اسی پر اکتفا کر کے اسے قابل استفادہ بنا دیں، یا اپنی عدالتی زبان وہ بنالیں جسے ملک کی اکثریت سمجھتی ہو۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ آزادی حاصل ہونے کے بھی عوام کے ذہنوں سے یہ تاثر دور نہیں ہوا کہ ہم پر وہی بدیسی قانون اور نظام مسلط ہے، جو انگریز نے ہم پر لادا تھا، چنانچہ اس قانون کے بارہ میں نفرت اور عناد کے جو جذبات آزادی سے پہلے تھے، آج بھی وہ کلی طور پر دور نہیں ہوئے، اور کسی بھی قانون کی کامیابی کے لیے جس قبولیت عامہ کی ضرورت ہے وہ آج تک ملکی قانون کو کما حقہ حاصل نہیں ہوئی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہماری شامت اعمال سے قیام پاکستان کے کچھ ہی عرصہ کے بعد ہمارے سیاسی حالات میں وہ ابتری آئی کہ عوام حکومتوں سے بدظن ہوگئے اور

حکومت اور عوام کے درمیان اعتماد کی جو فضا کسی بھی قوم کی ترقی کے لیے ضروری ہے وہ مفقود ہوگئی، لوگ یہ سمجھنے لگے کہ انگریزوں کے جانے کے بعد بھی حکومت ہماری نہیں کسی اور کی ہے، ہم اب بھی اسی نظام میں جکڑے ہوئے ہیں جس میں آزادی سے پہلے مقید تھے، بلکہ اس پر بدنظمی اور بدامنی کا اور اضافہ ہوگیا ہے، لہٰذا ہمارے حق میں نظام کے لحاظ سے کوئی واضح تبدیلی نہیں آئی۔

نہ تم بدلے، نہ رت بدلی، نہ انداز چمن بدلا
میں کیونکر اعتبار انقلاب آسماں کرلوں؟

یہ دوسری وجہ ہے جس کی بنا پر سرکاری قوانین اور قاعدوں ضابطوں کے بارے میں یہ وہ منفی ذہنی فضا آج بھی برقرار ہے جو انگریزی سامراج کے دور میں پیدا ہوگئی تھی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قانون کا احترام اور قانون کی بالادستی جو کسی بھی ملک وقوم کے استحکام کے لیے سب سے پہلی شرط کی حیثیت رکھتی ہے، ہمارے معاشرے میں عنقا ہوتی جارہی ہے، لوگ دھڑلے سے قانون کو توڑتے ہیں اور اس قانون شکنی پر نہ کسی کو ندامت ہوتی ہے، نہ ضمیر ملامت کرتا ہے، انگریز کے دور میں کم از کم پکڑے جانے کا خوف تھا، اب بدنظمی اور افراتفری نے وہ خوف بھی دل سے نکال دیا ہے، اور لاقانونیت کی بن آئی ہے۔

یہ درست ہے کہ اس صورت حال کو بدلنے کی کنجی حکومت کے پاس ہے، وہی نظام میں ایسی تبدیلیاں لاسکتی ہے جن کے نتیجے میں ''پرائی حکومت'' اور ''پرائے قانون'' کا یہ تاثر عوام کے دل ودماغ سے نکلے، اور قانون کا صحیح معنیٰ میں احترام پیدا ہو، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر حکومت اس سلسلے میں اپنے فرائض سے غفلت برتتی رہی ہے تو کیا ہمیں لاقانونیت کے اس مزاج پر صبر کرکے بیٹھ جانا چاہئے جو روز بروز زندگی کو دوبھر بنا رہا ہے؟ اگر حکومت اپنی اصلاح نہیں کرتی، تو کیا افراد کو بھی اپنی اصلاح نہیں کرنی چاہئے؟۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر ہمیں اپنی حکومت سے شکایات ہیں تو ان شکایات کا ازالہ کرنے کی فکر ضرور کرنی چاہئے، اور اگر کسی حکومت سے مایوسی ہو تو حکومت کو بدلنے کی مناسب تدبیر بھی اختیار کرنی چاہئے، لیکن یہ بات کبھی فراموش نہ کی جائے کہ آزادی کے بعد کے حالات بہرصورت پہلے کے مقابلے میں مختلف ہیں، شرعی اعتبار سے بھی صورت حال یہ ہے کہ جو قوانین قرآن وسنت سے متصادم ہیں ان کی بات تو اور ہے لیکن جو قوانین اور سرکاری ضابطے قرآن وسنت کے کسی حکم سے نہیں ٹکراتے، ان کی پابندی شرعی اعتبار سے بھی ہر مسلمان حکومت کے باشندے کے لیے ضروری ہے، حکومت خواہ کتنی بری ہو، لیکن اس کے ایسے احکام، بالخصوص وہ احکام جو مصلحت عامہ کے تحت بنائے گئے ہیں ان کی تعمیل ہر باشندے کا فرض ہے، اور آنحضرت ﷺ نے دسیوں احادیث میں اس بات کی تاکید فرمائی ہے، لہٰذا مسلمان حکومت کے قیام کے بعد کسی ایسے قانون کو توڑنا صرف قانونی غلطی یا جرم ہی نہیں ہے شرعی اعتبار سے بھی گناہ ہے، اور اگر اس قانون شکنی کے نتیجے میں عام لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہو، یا اس سے معاشرے میں افراتفری پھیلتی ہو تو بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہونے کی بنا پر انتہائی سنگین گناہ ہے۔

اس وقت ہمارے ملک کی صورت حال یہ ہے کہ اگرچہ یہاں بنیادی طور پر انہی انگریزی قوانین کو اختیار کرلیا گیا تھا جو انگریز کے زمانے میں نافذ تھے، لیکن قیام پاکستان کے بعد بہت سے قوانین میں تبدیلی بھی آئی ہے اور اس دور کے جو قوانین اب بھی نافذ چلے آتے ہیں ان میں سے بہت سے واقعۃً مصلحت عامہ پر مبنی ہیں اور ان سب کے بارہ میں یہ سمجھنا بھی درست نہیں ہے کہ وہ شریعت کے خلاف ہیں (اور جو شریعت کے خلاف ہیں، ان کو منسوخ کرنے کے لیے وفاقی شرعی عدالت کے ذریعہ ایک آئینی راستہ بھی اب دستور پاکستان میں فراہم کردیا گیا ہے) لہٰذا اب وہ ذہنی فضا ختم ہونی چاہئے جس میں قانون شکنی

کو برحق اور بہادری کی علامت قرار دے کر قابل تعریف سمجھا جاتا تھا۔

کسی بھی قوم یا معاشرے کی ترقی اور استحکام کے لیے یہ ایک لازمی شرط ہے کہ اس میں قانون کی حکمرانی ہو، اگر معاشرہ لاقانونیت کا شکار ہو جائے تو یہ صرف حکومت کا نہیں، قوم کے ہر ہر فرد کا ناقابل تلافی نقصان ہے، اگر ہم حکومت کی نااہلی یا غلط کاری کو بنیاد بنا کر لاقانونیت کے عادی بنے رہیں تو یہ خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مرادف ہے، یہ ملک صرف برسر اقتدار افراد کا نہیں، بارہ کروڑ سے زائد افراد کا ہے، ہم سب کا اور ہماری آنے والی نسلوں کا مستقبل اس سے وابستہ ہے، اگر ہم لاقانونیت سے نجات حاصل کرنے کے لیے اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کریں گے تو خود بھی افراتفری کا شکار ہو کر امن وسکون سے محروم رہیں گے، اپنے بچوں کے لیے بھی مسائل کا ایسا جہنم چھوڑ کر جائیں گے جو عمر بھر ان کے لیے بھی وبال جان بنا رہے گا، اور اپنے اس غیر ذمہ دارانہ طرز عمل کا حساب ہمیں آخرت میں بھی دینا ہوگا، ہوسکتا ہے کہ وقتی حیلوں بہانوں سے ہم دنیا کی فوری باز پرس سے بچ جائیں، لیکن اپنی کی ہوئی برائی کے لازمی نتائج بہرصورت رونما ہو کر رہیں گے، اور آخرت کی باز پرس سے تو کوئی بچ ہی نہیں سکتا۔

(بحوالہ ذکر وفکر ص ۱۸۹۔۱۹۴۔)

فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ

''رؤیت ہلال کے شرعی احکام''...وضاحت کی ضرورت

مصدقہ: فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''البلاغ'' کراچی ماہ ذیقعدہ ۱۳۹۳ھ میں ''رؤیت ہلال'' کے شرعی احکام کے تحت ایک شہر کی ذیلی کمیٹی کے فیصلے کو مرکزی کمیٹی تک پہنچانے کے لیے دو گواہوں کا وہاں جانا اور شہادت علی القضاء میں عملی دشواری کا حل یہ نکالا گیا ہے کہ:

''حکومت ہر بڑے شہر میں ذیلی کمیٹیاں قائم کرے......''۔

اس تجویز میں اس وضاحت کی ضرورت ہے کہ اس میں کون سی حکومت مراد ہے، مرکزی حکومت کے علاوہ کیا دوسری صوبائی اور ضلعی سطح کی حکومتیں بھی اس میں شامل ہیں، بظاہر یہ لفظ حکومت ہر سطح کی حکومت کے لیے عام ہے اور اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ہر سطح کی حکومت کی قائم کردہ کمیٹیوں کا ایک ہی حکم ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ صوبائی اور ضلعی سطح کی حکومتوں کی قائم کردہ ہلال کمیٹیوں کے اختیارات چونکہ اس کے بنانے والی حکومت کی طرف سے ہی عطا کردہ ہوتے ہیں اس لیے ان کے اختیارات بھی ان حکومتوں کے اختیارات کی طرح سے ہی محدود ہوں گے، اور اس لیے ایسی کمیٹیوں کا فیصلہ رویت ہلال پورے ملک کے لیے قابل نفاذ نہیں ہوگا، بلکہ ان کا فیصلہ صرف ان کے بنانے والی حکومتوں کی حدود ولایت میں ہی نافذ ہوگا۔ اور مرکزی کمیٹی کے واسطہ سے اس فیصلہ کو نشر کرنے سے بھی وہ پورے ملک کے لیے عام نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذیلی کمیٹی نے جب یہ فیصلہ اپنے محدود اختیارات کی بنیاد پر کیا ہے تو اس کا نفاذ صرف اس کی حدود ولایت میں ہی

ہوگا۔ ٹیلی فون سے آئی ہوئی اطلاع پر مرکزی کمیٹی کے اس کو صرف نشر کر دینے سے ہی وہ فیصلہ پورے ملک کے لیے قابل نفاذ اور واجب العمل نہیں ہو جاتا۔

مجوزہ صورت میں یہ کہہ کر کہ:

''یہ ذیلی کمیٹی اگر باقاعدہ شہادتیں لے کر کوئی فیصلہ کر دیتی ہے تو فیصلہ شہادت کی بنیاد پر ہو چکا۔ اب صرف اعلان کا کام باقی ہے''۔

اس فیصلہ کے صرف اعلان کا کام مرکزی کمیٹی کے حوالہ کیا گیا ہے اور اس کے لیے شہادت کی ضرورت نہیں ہے، صرف ٹیلی فون سے آئی ہوئی اطلاع پر ہی اس کا اعلان کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس صورت میں مرکزی کمیٹی کی حیثیت صرف معلن اور منّا دکی قرار پاتی ہے اور اس کا واسطہ ذیلی کمیٹی کی حدود ولایت اور اس کے فیصلہ کی حدود نفاذ میں توسیع کا موجب نہیں بن سکتا۔ اور مرکزی کمیٹی کی طرف سے اس فیصلہ کا اعلان ہو جانے کے باوجود بھی وہ فیصلہ ذیلی کمیٹی کے بنانے والی ضلعی یا صوبائی حکومت کے حدود اختیارات تک ہی نافذ العمل رہتا ہے۔ اس لیے کہ اعلان کا اثر اور اس پر عمل فیصلہ کنندہ کی حدود ولایت تک ہی محدود ہوتا ہے اور اختیار عام رکھنے والے ادارہ کا بحیثیت معلن صرف اعلان کر دینا حدود فیصلہ کو عام نہیں بنا دیتا اور اس صورت میں مرکزی کمیٹی کی حیثیت صرف اعلان کنندہ کی فرض کی گئی ہے۔ اسی لیے وہ اس فیصلے کی نسبت اپنی طرف نہیں کرے گی جس سے وہ فیصلہ مرکزی کمیٹی کا قرار پا کر اس کا دائرہ نفاذ وسیع ہو جاتا۔ اور پورے ملک میں اس پر عمل واجب ہوتا بلکہ وہ اس فیصلہ کو ذیلی کمیٹی کی طرف ہی منسوب کرتے ہوئے اس کا صرف اعلان کرے گی، جیسا کہ اس تجویز میں بتایا گیا ہے کہ:

''مرکزی کمیٹی اس صورت میں اس کو اپنا فیصلہ کہہ کر نہیں بلکہ ذیلی کمیٹی کا فیصلہ بتلا کر اس طرح نشر کرے، الخ''۔

ظاہر ہے کہ اس طرح کا اعلان ذیلی کمیٹی کے حدود نفاذ میں وسعت پیدا نہیں کرسکتا اب اگر اس کی اصلاح اس طرح کی جاتی ہے کہ مرکزی کمیٹی اس فیصلہ کو ذیلی کمیٹی کا بتلا کر نہیں بلکہ اپنا فیصلہ کہہ کر اعلان کرے گی تاکہ اس کی حدود نفاذ میں وسعت پیدا ہو سکے۔

تو اس وقت چونکہ مرکزی کمیٹی کی حیثیت صرف اعلان کنندہ کی ہی نہیں ہوگی بلکہ وہ ذیلی کمیٹی کے فیصلہ کو اپنا کہہ کر اپنے حدود ولایت میں اس کو نافذ کرے گی، اس لیے اس صورت میں ٹیلی فون پر آئی ہوئی اطلاع پر اس کا اعلان درست نہیں ہوگا بلکہ اس کے لیے ذیلی کمیٹی کے فیصلہ کا شہادت یا استفاضہ کے ذریعہ مرکزی کمیٹی تک پہنچایا جانا شرط ہوگا کیونکہ فیصلہ کنندہ ادارہ کے اپنے حدود ولایت میں اس کے فیصلہ کے نافذ ہونے کے لیے تو شہادت کی ضرورت نہیں ہوتی اور صرف خبر ہی کافی ہو جاتی ہے، جس میں ٹیلی فون پر آئی ہوئی خبر بھی شامل ہے مگر ایک ادارہ کے فیصلہ کے دوسری ولایت کی حدود میں نافذ العمل ہونے کے لیے اس ولایت کے بااختیار ادارہ کے پاس مذکورہ شرط کے ساتھ فیصلہ کا پہنچنا ضروری ہے، اسی لیے اس تجویز میں بھی ذیلی کمیٹی کا فیصلہ بتلا کر اس کے نشر کرنے کو کہا گیا ہے اور مرکزی کمیٹی کی طرف اس فیصلہ کی نسبت کرنے کی تجویز نہیں کی گئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ مرکزی کمیٹی ذیلی کمیٹی کے فیصلہ کو اگر اس کا فیصلہ بتلا کر اعلان کرتی ہے تب تو یہ فیصلہ ذیلی کمیٹی کی حدود ولایت سے باہر نافذ ہونے کے قابل نہیں ہوتا بلکہ اس کا نفاذ صرف اس کی حدود ولایت ہی میں محدود رہتا ہے اور اگر مرکزی کمیٹی اس فیصلہ کو اپنا فیصلہ قرار دے کر اس کا اعلان کرتی ہے تو اس کے لیے ٹیلی فون کا واسطہ کافی نہیں بلکہ شہادت یا استفاضہ کی صورت میں اس فیصلہ کا مرکزی کمیٹی تک پہنچنا شرط ہے۔

وضاحت

اس لیے اس ''حل'' میں اگر یہ وضاحت کردی جائے کہ ذیلی کمیٹیوں کو قائم کرنے والی حکومت سے مراد مرکزی حکومت ہے اور مطلب یہ ہے کہ ذیلی کمیٹیوں کو بھی مرکزی حکومت کی طرف سے ہی رؤیت ہلال کے فیصلہ کرنے کا اختیار عام دے دیا جائے(۱)۔

اس صورت میں ان کمیٹیوں کی ولایت بھی چونکہ پوری مملکت کے لیے عام ہوگی اس لیے ان کا فیصلہ بھی عام اور پوری مملکت کے لیے واجب العمل ہوگا اور اس فیصلہ کی ٹیلی فون پر آئی ہوئی اطلاع پر بھی مرکزی کمیٹی کو اس کا اعلان کرنا حسب تجویز ''البلاغ'' درست ہوگا(۲)۔

چونکہ مختلف مقامات کی کمیٹیوں کی طرف سے مختلف فیصلوں کا اعلان انتشار وافتراق کا سبب بن سکتا ہے اور بعض مقامات پر ابلاغ عامہ کے ذرائع بھی میسر نہیں ہیں اس لیے انتظام کو برقرار رکھنے اور نظم میں وحدت پیدا کرنے کے لیے ان ذیلی کمیٹیوں کے ہوتے ہوئے بھی مرکزی کمیٹی کی ضرورت باقی رہتی ہے۔

ملک کو انتشار وافتراق سے بچانے کا مقصد اس صورت میں پورا ہوسکتا ہے کہ تمام ذیلی کمیٹیوں کا مرکزی کمیٹی کے ساتھ رابطہ قائم کر کے ایسا نظم قائم کیا جائے کہ رؤیت ہلال کے بارہ میں ان کا کوئی فیصلہ مرکزی کمیٹی کے واسطہ کے بغیر براہ راست نشر نہ کیا جاسکے۔

....

(۱) صرف ایک لفظ ''مرکزی'' لفظ حکومت سے پہلے بڑھانے سے یہ بات حاصل ہوسکتی ہے۔اور مرکزی حکومت سے ہی ان کی منظوری لے لی جایا کرے۔(جمیل احمد تھانوی)

(۲) کہ ہر ذیلی کمیٹی مرکزی کمیٹی کی وکیل یا خود مرکزی حکومت کی وکیل قرار پاسکے گی، اگر حکومت مرکزی سے منظوری لے لی ہوگی۔(جمیل احمد تھانوی)

ایک شبہ ازالہ

بلاد بعیدہ مثلاً مکہ معظّمہ اور مصر وغیرہ میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کرنے کی صورت میں بعض لوگوں کے ذہنوں میں جو یہ اشتباہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے بلاد کے فیصلوں کی خبر جب ریڈیوں وغیرہ پر آتی ہے تو ہمارے ملک کے لیے کیوں قابل عمل نہیں ہوتی؟ اس کا رفع ہماری اس تحریر سے اس طرح ہو جاتا ہے کہ ان ممالک کا وہ فیصلہ جس کو ریڈیو وغیرہ پر نشر کیا جاتا ہے وہ صرف ان ممالک کی حدود مملکت تک ہی محدود اور قابل عمل ہوتا ہے، اس سے قطع نظر کہ وہاں کے حکام اور قضاۃ، مملکت پاکستان کے جم غفیر کے مسلک حنفی کے ضابطہ شہادت کو اپنے فیصلوں میں ملحوظ رکھتے ہیں یا نہیں، ان کا فیصلہ ان کی حدود ولایت کے دائرہ سے باہر اسی وقت قابل نفاذ ہوسکتا ہے جبکہ وہ شہادت علی القضاۃ یا استفاضہ کی صورت سے ہم تک پہنچے، کسی مملکت کے فیصلہ کا محض خبر کے طور پر پہنچنا اس کی حدود ولایت سے باہر قابل نفاذ نہیں ہے۔ اور کسی عالم یا مجلس علماء کا فیصلہ چونکہ کسی مکان سے مقید نہیں ہوتا بلکہ اس کے قبول کرنے کی بنیاد صرف اعتماد پر ہوتی ہے، اس لیے اس کا فیصلہ اس کے دائرہ اعتماد میں ہر جگہ قابل عمل ہوگا (۳)۔ فقط واللہ اعلم

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

۲۶ / صفر ۹۴ھ

جمیل احمد تھانوی

....

(۳) گو لازم نہ ہوگا۔ (جمیل احمد تھانوی)

فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ

اردو زبان کی شرعی حیثیت واہمیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے ایک رسالہ ''درجہ اردو'' تالیف فرمایا تھا، اس کی روشنی میں اوراس سے استفادہ کرکے یہ مختصر تحریر لکھی گئی ہے، اس میں قرآن وسنت اورفقہ کے حوالہ سے عربی، فارسی، اردو زبانوں کا درجہ اورشرعی حیثیت بتلائی گئی ہے۔حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ مبارکہ میں جو برکت ہے وہ دوسرے متبادل الفاظ میں نہیں ہوسکتی، اس لیے اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ اس تحریر میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ بعینہ محفوظ رہیں مگر اردو تحریر کی رعایت کرتے ہوئے کہیں کہیں الفاظ بدل دیے گئے ہیں ،اگراس میں خامی نظر آئے تو وہ احقر پر تقصیر کی طرف منسوب کی جائے۔

آیات واحادیث میں غور کرنے سے امور ذیل مستفاد ہوتے ہیں:

زبانوں کی شرعی حیثیت

(۱) تمام زبانیں اپنی ذات میں قطع نظر عوارض سے اللہ تعالیٰ کا انعام اورقدرت کے دلائل ہونے میں اوراس بنا پر اباحت استعمال میں برابر ہیں جیسا کہ آیات ذیل اس پر دلالت کرتی ہیں:

(۱)ومارسلنامن رسول الابلسان قومه ،الآية۔

(۲)ومن آياته خلق السمٰوٰت والارض واختلاف السنتكم والوانكم ،الآية۔

(۳)الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمه البيان ،الآية۔

بعض زبانوں کی بعض پر فضیلت

(۲) بعض خصوصیات کی وجہ سے کہ وہ خصوصیات اسباب عادیہ سے بمنزلہ لوازم کے ہوگئی ہیں، باہم زبانوں میں ایک کی دوسری پر فضیلت ثابت ہے، چنانچہ عربی زبان کی فضیلت دوسری زبانوں پر ایک روایت میں بیان کی گئی ہے جیسا کہ کنز العمال کی ذیل کی روایت میں بیان کیا گیا ہے:

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم احبواالعرب لثلاث لانی عربی والقرآن عربی وکلام اهل الجنة عربی۔اخرجه الطبرانی فی الکبیر،والحاکم فی المستدرك، والبیهقی فی الشعب، کذافی کنزالعمال۔(ج٦ص٢٠٤)

عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال کناجلوساًعندالنبی صلی الله علیه وسلم اذانزلت سورة الجمعةفلمانزلت وآخرین منهم لمایلحقوابهم، قالوامن هولاء یارسول الله؟قال وفیناسلمان الفارسی۔قال فوضع النبی صلی الله علیه وسلم یده علیٰ سلمان ثم قال لوکان الایمان عندالثریالناله رجال من هٰؤلآء ۔متفق علیه ۔

قال فی"اللمعات":

والمقصودان المرادالذی لم یلحقوابهم اهل العجم من التابعین لحقوابالصحابة واکثرالتابعین من اهل العجم والصحابة من العرب،ولقدظهرالعلم والاجتهادفی التابعین مالم یظهرفی غیرهم اه۔

فی"الدرالمختار":

فصل تالیف الصلاة: کماصح لوشرع لغیرعربیة ای لسان کان خصه البروعی بالفارسیة لمزیتها۔

فی "ردالمحتار":

قولہ البروعی الٰی قولہ وفارس اسم قلعة نسب الیھاقوم والمراد بھانعتھم وھی اشرف اللغات واشھرھابعدالعربیة واقربھاالیھا،ابوالسعود۔

فی "التوضیح":

حتی لوقرأ آیة من القرآن بالفارسیة یجوزالٰی قولہ لٰکن الاصح انہ رجع عن ھٰذاالقول۔

فی "التلویح":

قولہ بغیرالعربیة اشارة الٰی ان الفارسیة وغیرھاسواء فی ذٰلك الحکم وقیل الخلاف فی الفارسیة لاغیر۔فی "الحاشیة"لعبدالحکیم لمزیتھاعلٰی غیرھالقربھامن العربیة فی الفصاحة،الخ۔

روایت ثانیہ سے معلوم ہورہا ہے کہ محاورات اعراب کے استعمال سے نہی فرمائی گئی ہے،خواہ وہ نہی کسی درجہ کی ہومگر ناپسندیدگی کے مدلول ہونے میں شبہ نہیں۔اور پہلی اور دوسری روایتوں میں غور کرنے سے صاف مفہوم ہورہا ہے کہ فضیلت اور تعریف یابرائی اور قباحت کی بنااس زبان کا کسی فضیلت کی چیز سے تعلق یااس کا کسی مذموم چیز سے تعلق ہے، خواہ وہ چیز کوئی عین ہو یامعنیٰ ہو۔

فارسی زبان کی فضیلت

(۳)عربی زبان کے بعد فارسی زبان میں اسی تعلق مذکور کے سبب چند وجوہ سے فضیلت ثابت ہے۔ایک اس کا تعلق جماعت مقبولین سے جیسا کہ تیسری روایت مع اس کے حاشیہ سے ثابت ہورہا ہے،اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان حضرات کا مقبولین میں سے ہونے اوران کا اہل علم واہل اجتہاد میں سے ہونے پردلالت ہورہی ہے اوربعض دوسری

وجوہ آگے آرہی ہیں۔

(۴) اسی فضیلت کی بنا پر جیسا کہ بعض محققین نے فارسی کی تصریح کی ہے، امام صاحب نے ایک وقت میں فارسی میں قراءت کو جائز فرمایا تھا، گو بعد میں اس سے رجوع فرمالیا لیکن رجوع فرمانے سے بنا کا انہدام لازم نہیں آتا، کیونکہ رجوع کسی معارض اقویٰ کے سبب ہے نہ کہ ضعف بنا تو اس معارض کی قوت ایک خاص محل میں ظہور اثر بنا کی مانع ہوگئی نہ کہ مبطل چنانچہ علاوہ فضیلت مذکور نمبر ۳ کے دوسری وجہ فضیلت کی اس کا اشرف اللغات ہونا ہے جیسا کہ چوتھی روایت میں ہے اور اس شرف کا مبنیٰ قریب یہ ہوسکتا ہے کہ مقبول بندوں نے اس کے ساتھ کلام کیا ہے جیسا کہ روایات ذیل میں وارد ہے:

(الف) روی البخاری فی حدیث طویل من کتاب الجهاد، فصاح النبی صلی الله علیه وسلم یااهل الخندق ان جابر قدصنع سوراً، الخ۔

قال الحافظ فی "الفتح":

عن الاسماعیلی " السور " کلمة بالفارسیة الخ۔

وقال القرمانی: لغة فارسیة کخ کخ الحدیث۔

وروی البخاری ایضاًفی باب اذقالواصبأنامن کتاب الجهاد:

وقال عمر (رضی الله تعالٰی عنه) اذاقال "مترس" فقدآمنه۔ (صحیح البخاری ج۲ ص ۴۵۰، ط مکتبة الحسن، لاهور)

وروی ابوداود: ان ابامیمونة قال بینما اناجالس مع ابی هریرة جاء ته امرأة فارسیة فقالت یااباهریرة ورطنت بالفارسیة، وفیه فقال ابوهریرة استهماعلیه ورطن لهابذٰلك الحدیث، باب الحدیث من احق بالولد۔

وذکرابن تیمیة فی کتابه "اقتضاء الصراط المستقیم" عن ابی العالیة

ومحمدبن الحنفية تكلمها بالفارسية۔

اور بعض روایات میں جو اس کی کراہت آئی ہے حافظ نے فتح میں اس کا یہ جواب دیا ہے:

واشار المصنف(ای البخاری)الٰی ضعف ماورد من الاحادیث الواردة فی کراھة الکلام بالفارسیة،ای قوله وسنده ایضاً۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ کراہت اس کے لیے ہے جو اس کو عربی پر ترجیح دے، اور تیسری وجہ فضیلت کی اس کا فصاحت میں عربی سے قریب ہونا ہے، بخلاف دوسری زبانوں کے کہ ان کے کلمات میں ثقل وتنافر بکثرت ہیں، کما فی الروایۃ الخامسۃ مع الحاشیۃ۔

اردو زبان کی فضیلت

اب ان مقدمات پر تفریع کر کے عرض کرتا ہوں کہ جس طرح فارسی زبان کے لیے عربی زبان کے ساتھ مناسبت ہونے سے فضیلت حاصل ہے چونکہ اس فضیلت کا اثر احکام دینیہ میں بھی ظاہر ہو چکا ہے اس لیے وہ فضیلت دینیہ ہے، اسی طرح بلاشبہ عربی وفارسی کے ساتھ ایسے ہی قوی مناسبت ہونے سے اردو کو بھی فضیلت دینیہ حاصل ہے بلکہ فارسی کو تو عربی سے صرف مشابہت ہی کی مناسبت ہے اور اردو کو فارسی عربی سے جزئیت کی مناسبت ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ اردو میں کثرت سے فارسی اور عربی کے الفاظ مفردہ ہوتے ہیں کہ کسی زبان میں بھی نہیں بلکہ اس کے بہت جملے تو ایسے ہوتے ہیں کہ بجز روابط ''کا، کے'' اور ''ہے'' اور ''نہیں'' کے پورا مادہ فارسی اور عربی ہی ہوتا ہے یہ تو فارسی کی زبانوں سے اس کا تعلق ہے۔

دوسری فضیلت اس میں یہ ہے کہ علوم دینیہ کا خصوص تصوف صحیح ومقبول کا اس میں غیر محدود و بے شمار ذخیرہ ہے جس کو علماء ومشائخ نے صدیوں کی مشقت اور اہتمام سے

جمع فرمایا ہے، چنانچہ چوتھی روایت میں ''اشھر'' کہنے سے اسی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے، خدانخواستہ اگر یہ زبان ضائع ہوگئی تو یہ تمام ذخیرہ ضائع ہوجائے گا بالخصوص عوام مسلمین کے لیے تو علم دین کا کوئی ذریعہ نہ رہے گا کیونکہ ان کا استفادہ بوجہ عربی نہ جاننے کے اسی پر موقوف ہے، کیا کوئی مسلمان اس کو گوارا کرسکتا ہے؟ اور کیا اس طرح ضائع ہوتے دیکھنا اور اس کا انسداد نہ کرنا شرعاً جائز ہے؟۔

تیسری خصوصیت کہ اس کو بھی فضیلت میں دخل عظیم ہے، اس کا سلیس اور آسان ہونا ہے، اس تیسیر کو آیات قرآنیہ میں احسان جتلانے کے موقع پر ارشاد فرمایا گیا ہے:

كما قال تعالىٰ: فانمايسرناه بلسانك لتبشر به المتقين۔

وقال تعالىٰ: فانما يسرناه بلسانك لعلهم يتذكرون۔ واشباهمامن الآيات۔

اردو زبان کی حفاظت

اس نتیجہ کے بعد معلوم ہوگیا کہ اس وقت اردو زبان کی حفاظت دین کی حفاظت ہے اس بنا پر یہ حفاظت حسب استطاعت طاعت وواجب ہوگی اور باوجود قدرت کے اس میں سستی کرنا معصیت اور موجب مواخذہ آخرت ہوگا۔ والله اعلم هٰذاماحضرلى الآن ولعل الله يحدث بعدذلك امرا۔ رسالہ ''درجہ اردو'' تمام ہوا۔ (النور ماہ شعبان ۱۳۵۶ھ)

اردو زبان سیکھنے کا شرعی حکم

اردو زبان کے مسئلہ نے تمدن اور قومیت سے بڑھ کر مذہبیت کی صورت اختیار کرلی ہے اس لیے حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی شرعی حیثیت کو متعین کردیا۔ اس اعتبار سے فارسی اور اردو زبان کو دوسری زبانوں پر شرعاً فوقیت حاصل ہوگی اور چونکہ علوم دینیہ بلا کلام مطلوب ہیں اور مقدمہ مطلوب کا شرعاً وعقلاً مطلوب ہوتا ہے اس لیے جو عربی زبان کے لیے فارغ نہ ہو اس کو اردو و فارسی میں مناسبت پیدا کرنا شرعاً

مطلوب ہوگا ولولغیرہ۔اس لیے اس کی تحصیل جہاں دوسرا آسان ذریعہ علوم دینیہ کے حاصل کرنے کا نہ ہو ضروری ہے۔

اردو، فارسی کی ضرورت واہمیت

نیز اردو فارسی جاننے والوں میں کثرت سے صلحاء پائے جاتے ہیں تو یہ صلحاء کی زبان ہوئی اوران کا تعلق صلحاء سے ہوا،ان میں مشغول ہونے والے کو آسانی سے صلحاء کی صحبت میسر آسکتی ہے اوران سے دینی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

علوم شریعت وطریقت کا بہت بڑا ذخیرہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مکتوبات فارسی میں ہی ہیں فارسی زبان دانی کے بغیران سے کما حقہ استفادہ مشکل ہے،اسی طرح شیخ عبدالقدوس گنگوہی،خواجہ منیر کے مکاتیب اورحضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اورحضرت مرزا مظہر جان جاناں،حضرت شاہ غلام علی دہلوی،رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ حضرات اکابر کے مکاتیب فارسی زبان میں ہیں اورحضرت شیخ عبدالحق دہلوی کی شرح مشکوٰۃ ''اشعۃ اللمعات''اورصاحبزادہ حضرت مولانا نورالحق دہلوی کی شرح بخاری بنام تیسیر الباری وغیرہ بہت سی کتب حدیث کی شروحات فارسی زبان میں ہیں ان سے استفادہ بغیر فارسی زبان سیکھے ازبس دشوار ہے۔

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

بزم اشرف کا آخری چراغ

یہ مضمون حضرت مدیر اعلیٰ مدظلہم نے ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ میں حضرت اقدس ہردوئی رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے بعد تحریر فرمایا اور اس وقت ماہنامہ ''الحقانیہ'' میں شائع ہوا۔ جسے کچھ مفید اضافہ جات کے بعد ''قند مکرر'' کے طور پر دوبارہ شائع کیا جارہا ہے۔(ادارہ)

چاہا خدا نے تو تری محفل کا ہر چراغ جلتا رہے گا یونہی بجھایا نہ جائے گا

حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو حق تعالیٰ نے جن گوناگوں علمی و عملی اور روحانی کمالات وفضائل سے متصف فرمایا تھا، ان کے پیش نظر بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ کی ذات گرامی میں پورے جہان کو جمع فرمادیا گیا تھا، کسی نے سچ کہا ہے ۔

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

درس وتدریس، تصنیف وتالیف، وعظ وتبلیغ، اصلاح وتربیت یہ سب ہی دین کے شعبے ہیں اور ہر عالم تقسیم کار کے اصول کے مطابق کسی نہ کسی شعبہ میں دینی خدمات سرانجام دیتا ہے لیکن حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ ان نابغہ روزگار ہستیوں میں سے ایک ممتاز شخصیت کے حامل ہیں جن کی خدمات کا دائرہ دین کے تمام ہی شعبوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے، جیسا کہ آپ کی تالیفات اور مواعظ وملفوظات کے دیکھنے سے واضح ہے۔

حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک طویل عرصہ تک جہاں خود دین حنیف کی خدمت کی وہاں ایسے افراد بھی تیار فرمائے جنہوں نے دین کے مختلف شعبوں میں گرانقدر خدمات اور بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیے اور یہ حضرت ہی کی تربیت

واصلاح کا نتیجہ تھا کہ آپ کے خدام کی ایک ایسی جماعت تیار ہوگئی جنہیں حضرت نے مجاز بیعت اور مجاز صحبت قرار دے کر خلافت سے سرفراز فرمایا۔

بزم اشرف کے سارے ہی چراغ ایک سے ایک بڑھ کر ہیں لیکن ان میں سے شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ،حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری ،حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن امرتسری ،مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادی،مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری ،عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی عارفی ،سید العلماء حضرت سید سلیمان ندوی،ولی کامل حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ ،حضرت مفتی سید عبدالکریم گمتھلوی ،حضرت مولانا جلیل احمد شیروانی رحمہم اللہ تعالیٰ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ کی وفات حسرت آیات کے تریسٹھ سال بعد تک آپ کے خلفاء عظام کا دور رہا۔

بزم اشرف کے ان روشن چراغوں میں ایک چراغ شب تاب حضرت اقدس شاہ ابرارالحق ہردوئی قدس سرہ اب تک بقید حیات تھے،جنہیں دیکھ کر بجاطور پر یہ کہا جاسکتا تھا

ع ابھی کچھ لوگ ہیں ساقی کی محفل دیکھنے والے

لیکن افسوس! کہ یہ آخری چراغ بھی اپنی حیات مستعار کے نوے سال پورے کرنے کے بعد ایک صدی کے قریب روشن رہ کر بجھ گیا،عالم میں تاریکی چھا گئی اور ؎

رفتم واز رفتن من عالمے تاریک شد — من مگر شمعم چوں رفتم بزم برہم ساختم

کا سماں پیدا ہوگیا،انااللہ وانا الیہ راجعون۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کے درجات کو بلند فرمائیں اور ہمیشہ آپ کے فیوض و برکات کو جاری رکھیں،آپ کے جملہ پسماندگان،لاکھوں متوسلین و متعلقین کو صبر و اجر سے نوازیں اور آپ کی برکات سے محروم نہ فرماویں،آمین۔

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت محمود الحق حقی (مرحوم) تھا جو میرٹھ میں پیدا ہوئے، ایم، اے، او کالج علی گڑھ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد وکالت کا آغاز کیا اور جلد ہی ضلع بھر کے ناموراور ممتاز وکلاء میں شمار ہوئے، اس کے علاوہ فلاحی کاموں میں بھی آپ کو خاصی دلچسپی تھی اس لیے آپ نے انجمن اسلامیہ کے نام سے ایک انجمن بھی قائم کی جس میں مسلمانوں کو دینی اور دنیاوی تعلیم کے انتظام کے ساتھ یتیم اور بیوہ کی امداد بھی کی جاتی تھی، آپ نے ضلع بھر میں نہایت محنت سے بہت سے دینی مدارس اوراسکول بھی قائم فرمائے، تربیت باطن اور اصلاح نفس کے لیے آپ نے اصلاحی تعلق مجدد وقت حکیم الامت حضرت اقدس شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے قائم کیا، حضرت کی خصوصی توجہات کی برکت سے آپ اس مقام پر پہنچے کہ عوام وخواص آپ کے اخلاق حسنہ سے بے حد متاثر تھے اور حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کا بلیغ اہتمام آپ کا خصوصی امتیاز تھا۔

شیخ نے آپ کے اخلاق فاضلہ اورروحانی کمالات کے پیش نظر اپنے خاص احباب ومتعلقین میں شامل کرتے ہوئے آپ کو مجاز صحبت قرار دیا، حضرت موصوف رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے شیخ سے بہت عقیدت ومحبت تھی، جونہی فرصت ملتی تھانہ بھون خدمت میں حاضر ہوتے اورخوب اکتساب فیض فرماتے، اکثر حضرت کی کتب اور ملفوظات کو مطالعہ میں رکھتے۔ شیخ سے گرویدگی کا یہ عالم تھا کہ اپنے فرزندار جمند حضرت شاہ ابرار الحق رحمہ اللہ تعالیٰ کی شادی ان کی والدہ اپنے خاندان میں کرنا چاہتی تھیں جبکہ حضرت حکیم الامت کی منشا یہ تھی کہ ان کی شادی ڈاکٹر احمد علی شاہ کی بیٹی سے ہونی چاہیے، آپ نے تمام برادری کی خواہش کے علی الرغم حضرت مجدد کی خواہش کو پورا فرمایا اور

ع اسخطت کل الناس فی ارضائه

پر عمل کر دکھایا، الغرض ساری عمر حضرت کی تعلیمات پر عمل پیرا رہے اور ۱۹۴۶ء میں انتقال

فرمایا، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کریں اور درجات بلند فرمائیں، آمین۔

مرحوم نے اپنے پیچھے حضرت شاہ ابرارالحق قدس سرہ جیسا جامع شریعت وطریقت ہونہار اور عظیم فرزند چھوڑا جس نے ہمیشہ کے لیے آپ کے نام کو روشن کر دیا، آپ کا سلسلہ نسب حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفیٰ ۱۰۵۲ھ سے ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور دورہ حدیث شریف تک وہاں تعلیم حاصل کی۔ آپ کی زندگی طالب علمی کے زمانہ سے ہی قابل رشک تھی، حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور آپ ہر ہفتہ سہارنپور سے تھانہ بھون مجلس شیخ میں حاضری دیتے رہے، آپ نے سلوک وتصوف کی منازل کو اس قدر تیزی سے طے کیا کہ مجدد ملت نے بہت چھوٹی عمر میں آپ کو خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے اشرف المدارس کے نام سے ہردوئی میں ایک دینی ادارہ قائم کیا جس سے مقامی وبیرونی طلبا نے بھرپور استفادہ کیا اور یہ آپ کی مسلسل محنت اور جدوجہد کا ہی نتیجہ تھا کہ ہردوئی میں علم کی ایک ایسی شمع روشن ہوئی جس نے سارے جہان کو علم وعمل کی دولت سے روشن کر دیا۔

مجلس دعوت الحق حضرت حکیم الامت تھانوی نے مسلمانوں کی فلاح اور اصلاح کے لیے قائم فرمائی تھی، یہ جماعت عرصہ سے گوشۂ گمنامی میں تھی آپ نے اسے ایک مرکزی ادارہ میں ڈھال دیا اور اس کے زیر انتظام ایسے زبردست دینی اجتماعات منعقد ہوئے جنھوں نے مسلمانوں کی زندگی میں عظیم انقلاب پیدا کیا۔

حضرت شاہ ابرارالحق ہردوئی رحمہ اللہ تعالیٰ کو حق تعالیٰ نے امت کی اصلاح وتربیت کے لیے پیدا فرمایا تھا اس لیے ان کی پوری زندگی اسی سے عبارت تھی، آپ معاشرہ کی دینی تربیت واصلاح کا خاص اہتمام فرماتے تھے، آپ کی پوری کوشش تھی کہ امت

مسلمہ دینی رنگ میں رنگ جائے اور سنتوں کو عملی طور پر اپنا کر فلاح دارین حاصل کر لے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی تمام دینی خدمات کو قبول فرمائیں اور اپنی شایان شان جزائے خیر سے نوازیں۔

احقر ناکارہ کو سب سے پہلے آپ کی زیارت کا شرف ۱۳۹۹ھ میں حاصل ہوا، ۶ رجنوری ۱۹۷۹ء بمطابق ۶ رصفر ۱۳۹۹ھ جمعۃ المبارک کے روز جامعہ اشرفیہ لاہور میں مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے دفتر کا افتتاح تھا، حضرت اقدس نے اس میں بصیروت افروز بیان فرمایا جسے آپ کے خلیفہ اعظم حضرت حکیم محمد اختر صاحب مدظلہم نے قلم بند فرما کر ''مجالس ابرار'' میں شائع فرمایا، اس بیان میں آپ کے استاذ محترم حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی ،حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی، احقر کے والد ماجد حضرت اقدس مفتی عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہم بھی موجود تھے۔ اس کے بعد بارہا زیارت کا شرف اور آپ کی مجلس مبارک میں حاضری کی دولت میسر ہوئی۔

یہ احقر کی خوش بختی ہے کہ جس سال ۱۴۰۲ھ میں احقر جامعہ اشرفیہ لاہور میں زیر تعلیم تھا، حضرت ہردوئی قدس سرہ لاہور تشریف لائے اور کئی روز تک ریگل میں جناب غلام سرور ڈار صاحب مرحوم کے ہاں قیام فرمایا، ہر روز عصر کے بعد مجلس ہوتی تھی جس میں احقر بھی برابر شریک ہوتا رہا، عام طور پر حضرت خود ہی مجلس میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کا کوئی ملفوظ مبارک سناتے اور پھر اس کی تشریح فرماتے، حضرت مجددملت کے ملفوظ کی وضاحت وتشریح کے ضمن میں آپ جو افادات فرماتے وہ بذات خود بہت سے فوائد پر مشتمل اور نہایت نافع ہوتے تھے، لیکن اس کے باوجود حضرت ہمیشہ ان افادات کی نسبت اپنے شیخ حضرت مجددملت کی طرف فرماتے تھے اور

ع نقل ارشادات مرشد می کنم

کے مصداق اپنی طرف کبھی نسبت نہیں فرمائی، یہ فنافی الشیخ کا وہ مقام تھا جو اللہ تعالیٰ نے علی وجہ الاتم آپ کو نصیب فرمایا تھا اور یہی اصلاح وتربیت کا حاصل ہے، چنانچہ کسی نے اس کو یوں بیان فرمایا ہے ۔

تو درو گم شو دوصال ایں است وبس　　　گم شدن گم کن کمال ایں است وبس

احقر کے والد ماجد فقیہ العصر یادگار اسلاف حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ بزم اشرف کے روشن چراغ حضرت اقدس حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے مجاز صحبت اور خاص معتمد خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون کے مفتی حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلوی قدس سرہ کے فرزند ارجمند اور حضرت مجدد ملت نوراللہ مرقدہ سے براہ راست تربیت پانے والوں میں سے تھے اس لیے سلسلہ اشرفیہ کے تمام بزرگوں کی شفقت اور خصوصی عنایتیں انہیں ہمیشہ حاصل رہیں۔

حضرت شاہ ابرارالحق صاحب حقی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی حضرت والد گرامی کے ساتھ خاص شفقت وعنایت اور اکرام کا معاملہ فرماتے تھے، جب بھی حضرت ہردوئی کی خدمت اور مجلس میں حاضری ہوتی تو آپ کو اپنے پاس بلاتے اور خصوصی توجہ اور خطاب سے نوازتے۔

یہ ۱۹۷۹ء کا واقعہ ہے کہ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے لاہور میو ہسپتال میں اپنی آنکھ کا آپریشن کرایا، آپ کا قیام سمن آباد میں جناب حضرت مولانا فیض احمد مرحوم کے مکان پر تھا، حضرت ہردوئی کو اس کا علم ہوا تو از راہ عنایت سمن آباد تشریف لے آئے، تیمارداری فرمائی اور عیادت کے آداب پر بڑا جامع بیان فرمایا، حضرت مولانا فیض احمد صاحب مرحوم حضرت کی تشریف آوری سے اس قدر خوش تھے کہ اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا، ان کی خوشی اس وقت دیدنی تھی، وہ بار بار حضرت والد صاحب کا شکریہ ادا

کررہے تھے اور زبان حال سے یوں کہہ رہے تھے

ع کلاہ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید

واقعتاً حضرت کی تشریف آوری بہت بڑی نعمت تھی ،حضرت والد صاحب پر بھی اس کا خاص اثر تھا اور سب ہی چھوٹے بڑے عید کا سماں محسوس کررہے تھے ۔ بھائی جان ڈاکٹر عبدالرحمٰن خالد صاحب تو حضرت کی تشریف آوری پر بچھے جارہے تھے ،اور حضرت کے واپس تشریف لے جانے پر ان کی عجیب کیفیت اور حالت ہوئی وہ بار بار اللہ تعالیٰ کی شکر وحمد کے الفاظ دہراتے ہوئے حضرت والد گرامی کا جن کی وجہ سے انہیں یہ دولت حاصل ہوئی بے حد شکریہ ادا کررہے تھے۔احقر اس پورے واقعہ میں خود موجود تھا اس لیے یہ چشم دید واقعہ احقر کے دل پر نقش ہے۔بحمداللہ تعالیٰ احقر ناکارہ کو حضرت اقدس ہر دوئی کی خدمت میں بارہا حاضری نصیب ہوئی اور ہر مرتبہ حضرت کے علوم وفیوض اور تحقیقات سے استفادہ کا موقع ملتا رہا۔

حضرت کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ جن مسائل کو معمولی سمجھا جاتا ہے حضرت کے ہاں ان کی بھی بڑی اہمیت تھی اور عوام وخواص کے سامنے حضرت ان کو بڑی اہمیت سے بیان فرماتے اور ان کی اصلاح پر خوب زور دیتے تھے۔احقر نے پہلی مرتبہ حضرت ہی سے سنا کہ لفظ جلالہٗ ''اللہ'' اور ''الصلوٰۃ خیر من النوم '' کے الف کو حد سے زیادہ طویل کرنا درست نہیں ہے ،چونکہ اس غلطی میں اچھے خاصے پڑھے لکھے حضرات مبتلا ہیں اس لیے حضرت اس پر بطور خاص تنبیہ فرماتے تھے۔علم تجوید کی معتبر کتاب ''نہایۃ القول المفید فی علم التجوید'' کی عبارت میں حضرت کے موقف کی صراحۃً تائید تھی حضرت نے اسے بارہا سنایا۔کتاب مذکور کی عبارت یہ ہے:

فالاصلی هوالمدالطبعی الذی لاتقوم ذات حرف المدالابه ولایتوقف

علی سبب بل یکفی فیه وجوداحدحروف المدالثلٰثة المجتمعة فی قوله تعالیٰ نوحیهاوعلامته ان لایوجد بعده ساکن ولاهمزة وسمی طبعیا لان صاحب الطبیعة السلیمة لاینقصه عن حده ولایزیدعلیه وحده مقدار الف وصلاووقفاًونقصه عن الف حرام شرعاًفیعاقب علی فعله ویثاب علی ترکه فمایفعله بعض ائمة المساجدواکثرالمؤذنین من الزیادة فی المد الطبعی عن حده العرفی ای عرف القراء فمن اقبح البدع واشد الکراهة لاسیماوقدیقتدی بهم بعض الجهلة من القراء ۔(ازمجالس الابرارص ۱۳۵)

دوسرا موقف اس سلسلہ میں مدتعظیمی کی بنا پر لفظ جلالہ ''اللہ'' میں تطویل کے جواز کا تھا اور بعض حضرات نے الاذان مد کی روایت سے بھی اس کے جواز پر استدلال کیا ہے، لیکن حضرت نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اسم جلالہ میں مدتعظیمی کا کوئی ثبوت نہیں اور الاذان مـــــد کا بھی یہ مطلب نہیں کہ اسم جلالہ میں حد سے زیادہ مد کیا جائے بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اشهدان لاالٰه الاالله میں الٰه سے قبل والے لا میں قاعدہ کے مطابق مد کیا جائے ،اوراسی طرح ہر کلمہ کے آخر میں مد کیا جائے۔حضرت اقدس کا موقف روایت ودرایت کے اعتبار سے کس قدر وزنی اور درست ہے یہ اہل علم سے مخفی نہیں ،مزید تفصیل ''مجالس الابرار'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔

احقر کو یاد ہے کہ اس مسئلہ پر کئی دن تک حضرت اقدس مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی اور حضرت والد گرامی رحمہما اللہ تعالیٰ میں بھی بحث ومباحثہ چلتا رہا۔حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت ہردوئی کے استاذ محترم اور عظیم فقیہ تھے،ان کا رجحان مدتعظیمی کی بنا پر لفظ جلالہ میں جواز تطویل کا تھا۔اس مسئلہ پر حضرت والد گرامی اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہما میں مکاتبت بھی ہوئی اور حضرت مفتی صاحب نے مدتعظیمی کے

اثبات پر اپنی رائے گرامی پر دلائل بھی جمع فرمائے ہیں ۔ حضرت ہردوئی جب جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد تشریف لائے تو حضرت نے وہاں بھی اس مسئلہ پر حضرات علماء کرام سے گفتگو فرمائی اور اپنے مؤقف کی تائید میں علم تجوید کی کتب سے عبارت پیش فرمائی، احقر اس مجلس میں بھی موجود تھا۔

فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ جمعہ کی اذان اول کے بعد بیع وشراء خرید وفروخت ناجائز ہے لیکن عام طور پر اذان ثانی تک یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے، اذان ثانی چونکہ پہلی اذان کے کافی دیر بعد دی جاتی ہے اور اتنی دیر تک دوکاندار دوکان بند نہیں کر سکتے اذان اول کے بعد خرید وفروخت کرتے رہتے ہیں، حضرت نے اس گناہ سے بچنے کے لیے اس تجویز پر زور دیا کہ تقریر اذان سے پہلے کی جائے، اس کے بعد پہلی اذان کہی جائے پھر سنتوں کے بعد دوسری اذان، اس طرح اذان اول وثانی میں وقفہ بہت کم ہوگا اور مسلمان اس گناہ سے بچ جائیں گے، چنانچہ کئی جگہ حضرت کی اس تجویز پر عمل کیا جارہا ہے۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور بعض علماء کرام کا موقف اس سلسلہ میں یہ رہا کہ اذان اول کو اس کے اپنے وقت زوال شمس سے مؤخر نہ کیا جائے بلکہ پہلی اذان وقت پر دی جائے اس کے بعد تقریر میں اختصار کرلیا جائے ، پھر دوسری اذان کے بعد خطبہ ہوجائے ۔ دونوں مؤقف اپنی اپنی جگہ مدلل ہیں اور دونوں پر ہی عمل جائز ہے، البتہ بعض کے نزدیک اول بہتر اور معمول بہا ہے، اور بعض کے نزدیک ثانی، ولکل وجھة ۔ اہل علم تفصیل کے لیے ''فتاویٰ عثمانی'' جلد اول اور ''فتاویٰ دارالعلوم کراچی'' جلد اول ، نیز ''حیات ترمذی'' ص ۴۰۸ ملاحظہ فرماویں۔

غرضیکہ حضرت کی مجلس میں اصلاح وارشاد وتزکیہ نفوس کے ساتھ اصلاح منکرات پر زور دیا جاتا تھا اور شریعت مطہرہ کے مسائل کی تحقیق اور ان کو عملی طور پر اپنانے کے لیے

آسان سے آسان اور نہایت مفید طریقے بھی بتائے جاتے تھے، حضرت والا دین کے تمام شعبوں میں اسی طرح رہنمائی فرماتے تھے اور ساری زندگی آپ نے اسے بطور مشن کے جاری رکھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی مقبولیت سے نوازا تھا کہ لاکھوں مسلمانوں نے آپ کی ہدایات اور رہنمائی میں اپنی زندگیوں کو شریعت وطریقت کے سانچوں میں ڈھالا اور فلاح دارین کو حاصل کیا، ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

حضرت آخری مرتبہ جب لاہور تشریف لائے تو احقر کے والد ماجد اگرچہ بہت کمزور اور بیمار تھے، سفر کی ہمت نہیں تھی لیکن فرمانے لگے کہ یہ ہمارے حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی آخری نشانی ہے نہ معلوم پھر دوبارہ زیارت کا موقع کب ملے گا اس لیے جانا ضروری ہے، چنانچہ احقر نے بھی حضرت والد ماجد کے ہمراہ لاہور یادگار خانقاہ امدادیہ میں حاضر ہو کر زیارت کی اور حضرت کا بیان بھی سنا۔ علماء وصلحاء اور عام مسلمانوں کا ایک ہجوم حضرت کی زیارت کے لیے ملک کے چاروں کونوں سے جمع تھا، اس موقع پر حضرت مولانا مشرف علی تھانوی دامت برکاتہم نے حضرت کے بارہ میں جو نظم لکھی اس کا مصرع

ع ابرار کا ہجوم ہے ابرار کے لیے

بڑا ہی برمحل اور بے حد پر کیف تھا۔ یہ حضرت کی آخری زیارت تھی افسوس! کہ اس کے بعد حضرت کی زیارت کا موقع نہ مل سکا

ع روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

حضرت اگرچہ کافی ضعیف اور کمزور تھے سفر بھی مشکل تھا لیکن اس کے باوجود آپ بڑے طویل سفر فرماتے اور افادہ کا سلسلہ جاری رہتا، یہ محض حق تعالیٰ کا فضل اور آپ کی روحانیت کا کرشمہ تھا۔

دنیا میں جو آیا ہے وہ جانے کے لیے ہی آیا، کتنی ہی طویل عمر مل جائے بالآخر کوچ

طے ہے، کما قال الحافظ الشیرازی ؎

در بزم عیش یک دو قدح نوش کن برو　　　یعنی طمع مدار دوام وصال را

حضرت والا بھی اس اصول کے مطابق اپنی حیات مستعار کے نوے سال پورے فرما کر راہی ملک بقا ہوئے اور اللہ کے نیک بندوں، صالحین وابرار کے قافلہ سے جا ملے۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین کی دعا پوری ہوئی۔

حضرت کا انتقال پرملال ۸؍ربیع الثانی ۲۶ھ کو ہوا جنازہ کے موقع پر لاکھوں عشاق وخدام اور مسلمانوں کا ہجوم تھا جس نے ؎

اے تماشہ گاہ عالم روئے تو　　　تو کجا بہر تماشہ می روی

کا ماحول پیدا کر دیا۔

اللہ والوں کی مقبولیت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ ان کے جنازہ میں خلقت خدا کا بے پناہ ہجوم ہوتا ہے اور لوگ جنازہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں، حضرت والا کے جنازہ کا بھی یہی حال سننے میں آیا۔

بزم اشرف کے دیگر چراغوں کی طرح اس چراغ نے بھی ہزاروں چراغ روشن کیے، اس طرح سلسلہ عالیہ اشرفیہ کا فیض قیامت تک جاری رہے گا اور حق تعالیٰ کے فضل سے سید الملت حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کا ارشاد ؎

چاہا خدا نے تو تری محفل کا ہر چراغ　　　جلتا رہے گا یونہی بجھایا نہ جائے گا

ہمیشہ پورا ہوتا رہے گا۔ یاد رہے کہ یہ شعر حضرت ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی وفات پر ارشاد فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات کو بلند فرمادیں اور پسماندگان کو ان کی تعلیمات وہدایات پر چلنے اور آپ کے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق دیں، آمین۔

عبدالناصر ترمذی

حضرت مولانا غلام جیلانی مرحوم

جامعہ خیرالمدارس ملتان کے قدیم فاضل مخدوم العلماء حضرت مولانا خیرمحمد جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلمیذ رشید ومسترشد حضرت مولانا غلام جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ ساکن بخشن خان تحصیل حاصل پور ضلع بہاولنگر گزشتہ دنوں مسلسل تین سال علیل رہنے کے بعد انتقال کر گئے، انالله وانااليه راجعون۔

آپ کی ولادت ۱۹۲۸ء کو چشتیاں ضلع بہاول نگر کے قصبہ بخشن خان میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی، حفظ قرآن کریم اپنے والدمحترم جناب حافظ محمد دین صاحب سے کیا، درس نظام کی ابتدائی کتب جامعہ قاسم العلوم فقیر والی اور جامعہ اشاعت العلوم چشتیاں میں پڑھیں اور آخر میں دورہ حدیث شریف کے لیے ۱۹۵۶ء میں جامعہ خیرالمدارس ملتان تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت مولانا خیرمحمد جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ حضرت مولانا علامہ محمد شریف کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر بڑے اساتذہ کرام حیات تھے، آپ نے ان سے بھرپور استفادہ کیا۔

دورہ حدیث شریف سے فراغت کے بعد تقریباً ۴۵ سال ہیڈ اسلام ضلع وھاڑی میں امامت وخطابت کے علاوہ حفظ قرآن کی تعلیم دی۔ آخر میں اپنے آبائی علاقہ میں عرصہ دراز تک قرآن کریم پڑھایا، ہزاروں طلبہ نے آپ سے حفظ قرآن کریم کی سعادت اور دینی تعلیم حاصل کی۔

اصلاح باطن کے لیے آپ نے پہلے حضرت اقدس مولانا خیرمحمد جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کی پھر حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت ہوئے، آپ

کے بعد حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کیا، آخر میں حضرت اقدس مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ سے اصلاحی تعلق قائم رہا، حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے وصال کے بعد برکۃ العصر حضرت اقدس نواب عشرت علی خان قیصر رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے حالات ذکر کر کے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت اقدس نواب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلی ملاقات ہی میں بیعت وتلقین کی اجازت مرحمت فرمادی۔ آپ کئی مرتبہ حضرت نواب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں اسلام آباد حاضر ہوئے، حضرت نواب صاحب آپ پر بے حد عنایت وشفقت فرماتے تھے، ایک مرتبہ آپ نے واپسی میں سفر کا خرچ عنایت فرمایا تو حضرت مرحوم نے اپنے صاحبزادہ سے کہا کہ ہمارے پیرومرشد ایسے ہیں جو ہماری تربیت بھی فرماتے ہیں اور ہمیں خود پیسے بھی عنایت فرماتے ہیں۔

حضرت مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ سے باقاعدہ نہ صرف اصلاحی تعلق قائم کیا بلکہ باقاعدہ سال میں ایک دو مرتبہ طویل سفر کر کے ان کی خدمت میں حاضری کا بھی معمول رہا، اسی طرح کئی کئی دن حضرت کی خدمت میں جامعہ حقانیہ ساہی وال سرگودھا قیام فرماتے اور حضرت کی مجلس وصحبت میں پابندی سے حاضری دیتے، حضرت بھی ان کی آمد پر بہت خوش ہوتے اور انہیں خاص وقت عنایت فرماتے۔ آپ کی وفات کے بعد بھی جب تک صحت رہی انہوں نے جامعہ حقانیہ ساہی وال میں حاضری اور کئی کئی روز قیام کا سلسلہ قائم رکھا، ان کے قیام سے جامعہ کے اساتذہ کرام وطلبہ اور صدر جامعہ حضرت مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم کو بے حد خوشی ہوتی۔ سفر کا یہ سلسلہ اس وقت منقطع ہوا، جب آپ سخت بیمار ہوئے اور سفر سے معذوری ہوگئی۔

آپ نے اپنے بیٹوں کو بارہا تاکید کی کہ جب میرا انتقال ہو جنازہ کے لیے ساہیوال سے میرے شیخ مکرم حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ تعالیٰ کے صاحبزادے مفتی سید عبدالقدوس

ترمذی صاحب کو بلانا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس خواہش کو پورا فرمایا اور آپ کا جنازہ عم مکرم حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم نے ہی پڑھایا۔

حق تعالیٰ نے آپ کی برکت سے بڑی سہولت کے ساتھ بخشن خان پہنچنے کا سبب پیدا فرمادیا۔مؤرخہ ۱۵/جنوری ۲۰۱۴ء بدھ کی رات جامعہ خیرالمدارس ملتان کی شوریٰ کا سالانہ اجلاس شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کی صدارت میں طے ہوا تھا اس میں شرکت کے لیے حضرت عم مکرم مدظلہم بدھ کی شام ملتان پہنچے، حضرت شیخ الاسلام حفظہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لیے برادر محترم مولانا سید عبدالملک ترمذی اور راقم الحروف بھی حضرت کے ہمراہ تھے۔حسب پروگرام رات کو جامعہ خیرالمدارس کی شوریٰ کا اجلاس ہوا، اگلے روز فجر کی نماز کے بعد فون کے ذریعہ اطلاع ملی کہ حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب رات ایک بجے انتقال کر گئے ہیں اور جنازہ عصر کے بعد ہوگا، چنانچہ ہم بڑی آسانی سے بخشن خان پہنچ گئے اور اس طرح حضرت مرحوم کی وصیت پر بھی عمل ہوگیا، کسی نے ایسے ہی موقع کے لیے کہا ہے۔

می دہد یزداں مراد مؤمنیں — تو چنیں خواہد خدا خواہد چنیں

جنازہ کا رش دیکھ کر اندازہ ہورہا تھا کہ لوگوں کو آپ سے کس قدر عقیدت و محبت تھی۔

حضرت مولانا مرحوم نے ساری زندگی دین کی خدمت کی اور اپنی تمام اولاد کو بھی حافظ قاری عالم بنایا جوان کے لیے بہترین صدقہ ہے۔حضرت مرحوم کے ماشاء اللہ پانچ فرزند اور دو بیٹیاں ہیں۔بیٹے سب کے سب حافظ قرآن اور عالم دین ہیں۔جبکہ دونوں بیٹیاں بھی قرآن کریم کی حافظہ ہیں۔

دل سے دعا ہے کہ حق تعالیٰ ان کی زلات وخطاؤں کو معاف فرمائیں اور ان کی خدمات کو قبول فرما کر ان کے درجات بلند فرمائیں۔ان کی نیک اور صالح اولاد کو ان کے مشن کے جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

ع۔ن۔ت

تعارف کتب

نام کتاب:اے میرے لخت جگر مرتب:ابوعثمان ماسٹرعبدالرؤف

ناشر:الرشید پبلی کیشنز مرادپور P/O قریشی والا (لودھراں) صفحات:۲۹۶

زیرنظرکتاب دوران مطالعہ مختلف کتب سے جمع کئے گئے دلچسپ وسبق آموز اقتباسات اورمنتخبات کا مجموعہ ہے ۔جسے مرتب زیدمجدہ نے بڑے سلیقے سے ترتیب دیا ہے،فجزاہ اللہ تعالیٰ خیرالجزاء۔

مولاناجمیل الرحمٰن عباسی صاحب اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''آپ مطالعہ کرتے ہوئے محسوس کریں گے کہ ایک کہنہ مشق صاحب قلم کا مثالی انتخاب ہے، کتاب کا ورق ورق موصوف مرتب کے وسعت مطالعہ اوربھرپور جدوجہد کا عکاس ہے،متنوع موضوعات پرمشتمل یہ مجموعہ یقیناً آپ کوایک اچھی لائبریری سے آگاہی بھی دے گا اور بہترین مربی واستاذ کا کام بھی۔اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ ہرطبقہ کےافراد کی استعداد کومدنظررکھ کرمرتب کی گئی ہے،دینی مدارس،سکول اورکالجز کے طلبہ کے لیے یکساں مفید ہے،ہرعمر کے لوگ اس کے مطالعہ سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں،پھر اس کا تمام مواد باحوالہ اورمستندلٹریچر سے ماخوذ ہے،جواس کتاب کی افادیت کودوچند کردیتا ہے،توقع ہے کہ اس کتاب کا صفحہ صفحہ قاری کو بہت سی معلومات بہم پہنچائے گا،ورق ورق سبق آموزاورسطرسطرنصیحت سے بھرپورمحسوس ہوگی''۔

امیدہےکہ قدردان حضرات اس کاوش کی قدرفرمائیں گے۔

مولانا محمد آصف چنیوٹی

اخبار الجامعہ

۳/ربیع الاول ۳۵ھ: حضرت صدر جامعہ مدظلہم نے دارالعلوم الاسلامیہ لاہور شوریٰ کے اجلاس میں شرکت فرمائی۔ ۴: حضرت مدظلہم نے مرکز اہل السنۃ چک نمبر ۸۷ سرگودھا میں طلبہ سے بیان فرمایا۔ ۶: حضرت مدظلہم نے گلبانہ فروکہ میں جلسہ سے خطاب فرمایا۔ ۹: جامعہ میں طلبہ وطالبات کے خماسی تحریری امتحانات شروع ہوئے۔

۱۰: حضرت مدظلہم نے جامعہ فاروقیہ راولپنڈی میں بیان فرمایا۔ ۱۳: حضرت مدظلہم جامعہ خیرالمدارس کی شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے لیے ملتان تشریف لے گئے۔ جامعہ میں درجہ حفظ ودرجہ کتب کے طلبہ کا تقریری امتحان ہوا۔ ۱۴: حضرت مدظلہم نے بخشن خان میں حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ تعالیٰ کے متوسل حضرت مولانا غلام جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ۲۱: حضرت مدظلہم چنیوٹ تشریف لے گئے اور بندہ کے بھتیجے عزیز محمد احمد بن محمد شاکر کی تقریب تکمیل قرآن کریم میں بڑا موثر اور اصلاحی بیان فرمایا۔

۲۷: حضرت مدظلہم نے روڈ وسلطان اٹھارہ ہزاری میں ایک نئی مسجد کا سنگ بنیاد رکھا اور اس کے بعد بیان فرمایا۔

جامع مسجد ترمذی:

جامعہ حقانیہ ساہی وال، حقانیہ ٹاؤن فروکہ روڈ پر الحمدللہ جامع مسجد ترمذی کے تہہ خانہ 94x76 کی تعمیر کا کام جاری ہے تہہ خانہ کا تخمینہ لاگت تقریباً ایک کروڑ روپے (10000000) ہے۔ ستون اور تہہ خانہ کی دیواریں مکمل ہو چکی ہیں، اور چھت کا کام شروع ہے۔ قارئین سے سہولت کے ساتھ تکمیل کے لیے دعا کی درخواست ہے

جلسہ سیرت خاتم الانبیاء ﷺ

جامع مسجد امام اعظم ابوحنیفہ

محلّہ عباس پورہ ساہی وال سرگودھا

بتاریخ: ۲۷/فروری ۲۰۱۴ء بمطابق ۲۶/ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

بروز جمعرات بعد نماز عشاء

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم صدر جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

خصوصی خطاب

مناظر ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہم

مرکزی مبلغ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان پاکستان

واعظ خوش الحان حضرت مولانا انتظار احمد صاحب زید مجدہم (ڈُلے والا بھکر)

الداعی الی الخیر: احقر سید عبدالودود ترمذی خادم جامع مسجد امام اعظم ابوحنیفہ ساہیوال

برائے رابطہ: 048-6786002/0301-3050699